سماجی علوم پر ادارہ تحقیقات اسلامی کی مطبوعہ کتب کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

آفتاب احمد ۞

تعارف

فکرِ اقبال کی روشنی میں پاکستانی معاشرے کی تشکیل جدید میں معاونت فراہم کرنے کے لیے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کو ۱۹۶۰ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارے نے اپنے قیام کے فوراً بعد ہی سماج کے مطالعے پر مبنی مطبوعات شائع کرنی شروع کر دیں تھیں۔ ادارے کی سماجی علوم پر مطبوعات میں دور عروج کے اسلامی معاشروں اور ان کی خصوصیات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ ادارے کا مقصد معاشرتی تشکیل جدید میں معاونت فراہم کرنا تھا؛ اس لیے سماجی مطالعات کے ضمن میں ادارے نے جو مطبوعات شائع کی ہیں ان میں پہلے اسلامی معاشرے کی تشکیل اور اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے منہج کا نمایاں ذکر ہے۔ مزید برآں ادارے نے اس ضمن میں ایسی کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا جن میں اسلامی تہذیب و تمدن کی ان خوبیوں کا ذکر کیا گیا جس کی بنا پر اس تہذیب نے دوسری تہذیبوں پر سبقت لی اور آج بھی زوال کے باوجود ایک متحرک تہذیب کے طور پر ابھرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ادارے کی شائع کردہ سماجی علوم پر مطبوعات، تاریخی اور سماجی علوم کے منہج پر تحریر کی گئی ہیں۔ چوں کہ یہ تحقیقی کتب ہیں اس لیے ان میں تاریخی تحقیق کے اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس مقالے میں بھی ان کتابوں کا تجزیہ کرتے ہوئے تاریخی اور سماجی تحقیق کے اصول پیش نظر رہے ہیں۔

زیرِ نظر مقالے میں منتخب مطبوعہ کتب کا تعارف کروایا گیا ہے اور ان کے مندرجات کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کتابوں کے مصنفین کا مختصر تعارف اور ان کی تالیف میں اختیار کردہ منہج و اسلوب اور مندرجات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے، نیز سماجی علوم کے فروغ میں ان کتب کی اہمیت و افادیت اور ان کے مرتب شدہ اثرات کا بھی ایک معروضی انداز میں جائزہ لیا جائے۔ اس مقالے میں ادارہ تحقیقات اسلامی کی طبع شدہ درج ذیل کتب کا انتخاب کیا گیا ہے:

۞ اسسٹنٹ پروفیسر / صدر شعبہ علوم قرآن، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(aftab.ahmad@iiu.edu.pk)

۱- **تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام** (خطبات: فواد سیز گین، ترجمہ: خورشید رضوی)

۲- **اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل** (صاحب زادہ ساجد الرحمٰن)

3. *Islam in History and Society* by Malek Bennabi, tr: Asma Rasheed
4. *Imām Rāzī's 'Ilm al-Akhlāq: Kitāb al-Nafs Wa'l-Ruḥ Wa Sharḥ Quwahumā* by M. Saghir Hassan Ma 'sumi
5. *Islamic Methodology in History* by Fazlur Rahman

۱- تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام

زیرِ نظر کتاب عالم اسلام کے ایک نام ور دانش ور فواد سیز گین[1] کے تیرہ خطبات بہ عنوان **محاضرات في تاريخ العلوم العربية و الإسلامية** کا اردو ترجمہ ہے جو معروف محقق پروفیسر ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی کے قلم سے ہے۔ مختلف اوقات میں ترجمہ کیے جانے والے یہ محاضرات، ادارہ تحقیقات اسلامی کے مؤقر علمی مجلے **فکر و نظر** میں جولائی- ستمبر ۱۹۸۶ء سے لے کر اپریل-جون ۱۹۹۳ء کے دوران میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر بعد ازاں ادارہ تحقیقات اسلامی نے ان کو **تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام** کے نام سے پہلی بار ۱۹۹۴ء میں کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کی دوسری اشاعت ۲۰۰۵ء میں ہوئی جو ۲۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان خطبات کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ان سے مختلف علوم و فنون کی ترویج و اشاعت اور

۱- ڈاکٹر فواد سیز گین ترکی میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ بعد میں جرمنی منتقل ہو گئے اور وہاں پر کئی مستشرقین کی شاگردی اختیار کی۔ جن میں قابل ذکر شخصیت ہیلموٹ رٹر (Hellmut Ritterr) کی ہے۔ سیز گین کا زیادہ تر کام جرمن زبان میں ہے۔ وہ طویل عرصے تک گوئٹے یونی ورسٹی فرینکفرٹ میں ادارہ تاریخ علوم عربیہ واسلامیہ (Institut Fur Geschichte der Arabisch Islamischen Wissenschaften) کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ مسلمان اہل علم کے ہاں ان کی وجہ شہرت ان کی کتاب *Geschichte des Arabischen Shrifttums* ہے۔ یہ کتاب پہلی صدی ہجری سے لے کر ۴۳۰ھ تک عربی زبان میں علوم و فنون کے بکھرے ہوئے سرمائے کا محققانہ اور فاضلانہ جائزہ ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد مسلمانوں اور عربوں کے علمی سرمائے کا تعارف کروانا اور پوری دنیا میں بکھرے ہوئے عربی مخطوطات کی نشان دہی کرنا ہے۔ ڈاکٹر فواد سیز گین کی انھی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کو "جائزة الملک فیصل العالمیة" (شاہ فیصل عالمی انعام) دیا گیا۔ دیکھیے: فواد سیز گین، **تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام**، مترجم، خورشید رضوی (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، ۲۰۰۵ء)، ۱۱، ۱۲۔

ارتقا کے حوالے سے بہت مفید معلومات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔[۲] مسلم تہذیب و تمدن کا حقیقی کارنامہ سامنے لانے میں ان خطبات کا کلیدی کردار ہے۔ ان کے نتیجے میں تاریخ علوم سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں اور من گھڑت باتوں کی حقیقت بھی قاری پر منکشف ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا کتاب کے تجزیے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب کا اجمالی مفہوم بیان کر دیا جائے۔ تہذیب وہ معاشرتی ترتیب ہے جو ثقافتی تخلیق کو فروغ دیتی ہے۔ تہذیب کسی بھی معاشرے کے طرز حیات اور فکر و احساس کی عکاس ہوتی ہے۔ چناں چہ زبان، آلات اور اوزار، پیداوار کے مختلف طریقے، سماجی بندھن اور رشتے، رہن سہن، اخلاق و عادات، رسوم و روایات، علم و ادب، حکمت و فلسفہ، عقائد و رسوم، فنون لطیفہ، عشق و محبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ سب تہذیب ہی کے مظاہر سمجھتے جاتے ہیں۔[۳]

مصنف ان خطبات میں سائنسی علوم کی تاریخ کے حوالے سے عام رجحان کے برعکس اس بات کے قائل ہیں کہ اہل یونان سے پہلے بھی سائنسی علوم کی تقریباً اڑھائی ہزار برس کی علمی تاریخ موجود ہے، اس لیے قدیم یونانی دور اور پھر اس کے بعد یورپ کی تحریک احیاے علوم کو جگہ دینا کسی بھی صورت تاریخی حوالے سے درست نہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ یونان والوں سے قبل کی علمی تاریخ ایک لمبے عرصے پر محیط ہے جو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ یہ وہ علمی ورثہ تھا جس سے اہل یونان نے یقینی طور پر استفادہ کیا۔[۴] ہر یونانی دور کی علمی تاریخ ہے اور اس کے بعد احیاے علوم کے دور کے درمیانی عرصے میں اہل عرب کی بے شمار علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ فواد سیزگین کے نزدیک عربوں کی خدمات کو نظر انداز کر دینا محض ایک اتفاق نہیں بلکہ مستشرقین کی شعوری اور ارادی کوشش ہے۔[۵]

۲۔ تصورات تہذیب اور آداب معاشرت کی قبل از اسلام حالت کی وضاحت کے لیے دیکھیے: حسن ابراہیم حسن، **تاریخ الإسلام** (قاہرہ: مکتبة النهضة المصرية، ۱۹۶۴ء)، ۱: ۶۵، ۶۶۔

3– Will Durant, *The Age of Faith: A History of Medieval Civilization (Christian, Islamic, and Judaic) from Constantine to Dante, AD 325-1300* (NY: Simon & Schuster, 1950), 3: 1989.

۴۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Arnold J. Toynbee, *A Study of History: Abridgement by D.C. Somervell* (London: Oxford University Press, 1947) 27-68.

۵۔ مختلف تہذیبوں اور ان کے ادوار کے تفصیلی مطالعے کے لیے ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) اور طبری (م ۶۹۴ھ) کے بیان کردہ حالات و واقعات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: عبد الرحمان بن محمد الحضرمی (ابن خلدون)، **تاریخ ابن خلدون** (بیروت: دار القلم، ۱۹۸۴ء)، ۱: ۶۲۹؛ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری، **تاریخ الأمم والملوک** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۰۷ھ)، ۱: ۴۶۵۔

کتاب کے مصنف اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد سے متفق نہیں ہیں کہ عرب ابتدا میں اتنے سادہ تھے کہ نئے علوم میں ہونے والی پیش رفت کو سمجھ نہ سکے اور یہ بھی کہ مسلمانوں کے نزدیک علمی ارتقا کا آغاز "بیت الحکمت" کے قیام سے ہوا۔ مصنف کی تحقیق کے مطابق مسلمانوں کے ہاں علمی و فکری سرگرمیوں کا آغاز پہلی صدی ہجری ہی سے ہو گیا تھا۔ سیز گین کے ان خیالات کی تائید ہمیں آرنلڈ جے ٹائن بی کی تحقیق میں بھی ملتی ہے۔ مسلمانوں کی تہذیبی روایات نے مغربی دنیا کو بھی دقیانوسیت اور تہذیبی و تمدنی فرسودگی سے باہر آنے کے لیے اور صحیح سمت متعین کرنے میں مدد کی؛ وہ کہتے ہیں:

> On Western Christendom the effect of this impact was wholly good, and western culture in the middle ages owed much to Muslim Iberia. On Byzantine Christendom the impact was excessive and evoked a crushing re-erection of the roman empire under Leo the Syrian. [6]

(مغربی مسیحیت پر تہذیب اسلامی کا اثر بہت اچھا تھا اور عہد وسطی میں مغربی تہذیب مسلم ہسپانیہ کی مرہون منت تھی۔ بازنطینی مسیحیت پر بھی ان کا اثر بہت زیادہ حد تک تھا جس کی وجہ شامی حکم ران لیو کے زیر اثر رومی سلطنت دوبارہ اپنے عروج کی طرف گامزن ہوئی۔)

اسی طرح علم کے فروغ اور دوسروں کی علمی روایت سے اخذ و استفادہ کرنا مسلمانوں کے ہاں بہ کثرت ملتا ہے اور خذ ما صفا دع ماکدر کے اصول کے مطابق اس میں کوئی عار بھی نہیں، کیوں کہ فکر انسانی میں پائے جانے والے تنوع اور اور ارتقا کو اہل علم مسلمانوں نے کبھی بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ مسلمانوں کا رویہ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے حوالے سے باہمی رابطے کا رہا ہے۔[۷]

یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں اور تہذیبوں کی محض تقلید نہیں کی، بلکہ اخذ و استفادے میں بڑی جانچ پرکھ اور سوچ سمجھ سے کام لیا ہے اور تنقید کے صحت مند معیار سے بحیثیت مجموعی پیچھے نہیں ہٹے۔ مصنف اپنے مؤقف کی تائید میں اپنے خطبات میں جابجا البیرونی اور ابن الہیثم کے اقوال نقل کرتے نظر آتے ہیں جن سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں ایک اعلیٰ تنقیدی معیار ہمیشہ سے متداول رہا ہے۔

6– Toynbee, *A Study of History*, 74.

۷– دیکھیے: سیز گین، مصدرِ سابق، ۳۱-۴۷؛ مسلمانوں کے دوسری تہذیبوں سے اخذ و استفادے اور یورپی تہذیبوں سے ارتباط کے حوالے سے دیکھیے: طاہر حمید تنولی، **معاصر تہذیبی کشمکش اور فکر اقبال** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۳ء) ۶۹-۹۶۔

ڈاکٹر فواد سیز گین کے خطبات کے عناوین جو اس کتاب میں زیر بحث آئے ہیں، ان کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

۱- تاريخ التراث العربي: تالیف کے مقاصد اور طریق کار

۲- تاریخِ علوم میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

۳- تاریخِ طب میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

۴- علم کیمیا کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

۵- ریاضیات کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

۶- فلکیات کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

۷- عربوں کی فلکیات کا یورپ پر اثر

۸- آثار علویہ *(Meteorology)* کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

۹- یورپ کی تحریک احیا پر عربی و اسلامی علوم کا اثر

۱۰- عربی و اسلامی علوم میں اسناد کی اہمیت

۱۱- **كتاب الأغاني** کے مآخذ

۱۲- قدیم عربی شاعری: حقیقت یا افسانہ؟

۱۳- اسلامی ثقافت میں جمود کے اسباب

ڈاکٹر فواد سیز گین کی شخصیت اس حوالے سے بھی خصوصی حیثیت کی حامل ہے کہ ان کا قدیم اسلامی سلسلۂ روایت، بالخصوص علوم حدیث میں اسناد کے طریقۂ کار اور اس کی حقیقت و اہمیت کے بارے میں ایک مخصوص اور منفرد نقطۂ نظر ہے۔ وہ مسلمان اہل علم و دانش پر زور دیتے نظر آتے ہیں کہ وہ مغربی محققین کے تصورات کا سنجیدگی کے ساتھ ناقدانہ جائزہ لیں۔

ڈاکٹر سیز گین کی رائے میں مسلمان اہل علم و دانش پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ بہ ظاہر زبانی اسانید میں پوشیدہ تحریری مآخذ کا سراغ لگانے کے لیے مضبوط بنیادوں پر اپنی تحقیقات سامنے لائیں۔ اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے وہ ایک عملی طریق کار بھی بیان کرتے ہیں جس کی تفصیلات ان کے دو اہم خطبوں "عربی و اسلامی علوم میں اسناد کی اہمیت" اور "**كتاب الأغاني** کے مآخذ" میں تفصیلات کے ساتھ درج ہے۔[۸]

۸- سیز گین، مصدرِ سابق (مترجم: ڈاکٹر خورشید رضوی)، ۱۵۷-۱۷۸۔

مصنف کے تیرہ خطبات میں سے آخری خطبہ "اسلامی ثقافت میں جمود کے اسباب" اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے قابل توجہ ہے۔ اسلامی ثقافت میں جمود کے حوالے سے عام طور پر کیے جانے والے تجزیوں سے ڈاکٹر سیز گین اتفاق نہیں کرتے۔ ان کی رائے میں جمود کے اسباب کی صحیح معنوں میں نشان دہی نہیں ہو سکتی، جب تک اسلامی و عربی علوم کی ایک ہمہ جہت اور مکمل تصویر سامنے نہ ہو۔ ان کے نزدیک ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تعمیری و تخریبی عناصر کو جانا جائے جو ان علوم کی پیش رفت اور پھر زوال کا سبب بنے۔[۹]

اسلامی تہذیب و ثقافت میں جمود کے اسباب کی وضاحت کرتے ہوئے ان کا مؤقف یہ ہے کہ نویں صدی ہجری کے شروع میں کچھ داخلی اسباب نمودار ہوئے، جیسے بین المسالک اختلافات، صلیبی جنگیں، کتابوں کی بربادی، علمی سرپرستی سے ہاتھ اٹھانا، جید علماے کرام کی مدارس کے لیے عدم دست یابی، منگولوں اور بربروں کی پیدا کی ہوئی بے چینی اور نہایت اہم علمی انکشاف کا مغرب کی طرف منتقل ہو جانا وغیرہ۔

فواد سیز گین کی نظر میں ترکوں کی طرف سے "تجدد" کی کوششیں بھی سطحی نوعیت کی تھیں اور بیسویں صدی کے اوائل میں ترکی نے جو مغربی اقدار کو اپنانے کے لیے اقدامات اٹھائے، وہ بھی کسی بڑی کام یابی کا باعث نہیں بنے، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو مناسب ہو گا کہ یہ غلطی پر مبنی تجزیاتی سوچ تھی جس سے خیر کا کوئی پہلو نکلنا امر محال کی حیثیت رکھتا ہے۔[۱۰]

ڈاکٹر سیز گین کی سوچی سمجھی راے ہے کہ مسلمانوں کو جدید دور کے حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے خود احتسابی کی منزل طے کرنا ہو گی۔ امت مسلمہ کو مجموعی طور پر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے نہ تو مغرب کی مکمل طور پر تقلید کی ضرورت ہے اور نہ اپنے شان دار ماضی ہی پر اکتفا کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کا تجویز کردہ راستہ یہ ہے کہ اپنے شان دار ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے دور حاضر میں مسلمان معاشروں کی علمی و فکری سطح کو بلند کیا جائے۔ تاریخ عالم میں انسانی تہذیبیں جمود کا شکار ہوتی رہی ہیں اور یہ ایک فطری عمل ہے، اس سے مایوس ہونا اور ناامید ہو جانا کسی بھی صورت امت مسلمہ کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسانی ترقی و عروج سے مثبت، روشن اور صالح اجزا کو اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح کی شعوری کوشش امت مسلمہ میں ترقی و عروج کا باعث بنے گی اور ایسی اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک بیدار مغز افرادی قوت مسلمانوں کو اقوام عالم میں ممتاز مقام دلوا سکے گی۔

۹۔ مصدرِ سابق، ۱۹۵-۲۰۴۔

۱۰۔ مصدرِ سابق، ۲۰۷-۲۱۰۔

۲- اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل

یہ کتاب صاحب زادہ ساجد الرحمٰن[۱۱] کی علمی کاوش ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی اور جو تبدیلیاں معاشرے میں وقوع پذیر ہوئیں ان کا تفصیلی مطالعہ اس کتاب کا مرکزی موضوع ہے۔ اس بات کا بھی تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے کہ جاہلیت کے کتنے نقوش اسلام نے مٹا دیے اور وہ کون سی چیزیں ہیں جن کو برقرار رکھا گیا؟ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد افراد اور معاشرہ کی اصلاح تھی۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے جہاں انقلابی اقدامات اٹھائے گئے وہیں پہلے سے موجود معاشرتی خوبیوں اور صحت مندانہ طور طریقوں کو باقی رکھا گیا۔ البتہ معاشرے میں پھیلنے والے مشرکانہ عقائد و رسوم، ظلم و بربریت اور استحصال کی تمام صورتوں کے خاتمے کے لیے بڑی جان دار اور کام یاب کوششیں ہوئیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا جس کی بنیاد تقویٰ و للّٰہیت، عدل و انصاف، مساوات، باہمی احترام، رواداری، اخوّت اور احسان پر تھی۔ عہد خلفاے راشدین تک ہونے والی پیش رفت اس کتاب کے اندر پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن نے کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے: پہلے باب میں "شرائع سابقہ، عرب جاہلیہ اور اسلام" کے حوالے سے مسلمان اہلِ علم کی آرا کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے جو بنیادی

۱۱- پروفیسر ڈاکٹر صاحب زادہ ساجد الرحمٰن، ۸/ جنوری ۱۹۵۱ء کو ضلع راول پنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک علمی وروحانی خاندان سے ہے۔ انھوں نے اسلامیات میں پی ایچ ڈی، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور سے ۱۹۹۱ء میں حاصل کی۔ وہ ادارہ تحقیقات اسلامی سے ۱۹۷۵ء میں وابستہ ہوئے اور مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ وہ ایک طویل عرصہ تقریباً پچیس سال علمی و تحقیقی مجلے **فکر و نظر** کے مدیر رہے۔ اس کے علاوہ دعوۃ اکیڈمی اور شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ انھوں نے یونی ورسٹی کے نائب صدر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔ اسی دوران میں وہ متعدد بار بہ طور قائم مقام صدر ذمے داریاں بھی سرانجام دیتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کی ادارت اور تالیف و تصنیف بھی کر چکے ہیں۔ ان میں قابل ذکر درج ذیل ہیں: (۱) **اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل**، (۲) **پیغمبر اخلاق**، (۳) **اندلس کی اسلامی میراث**، (۴) **برصغیر میں مطالعۂ قرآن**، (۵) **قصاص و دیت**۔ ان کتابوں کے علاوہ **فکر و نظر** کے مدیر کی حیثیت سے ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے **فکر و نظر** کے کئی خصوصی شمارے بھی نکالے جیسے: (۱) "سید صباح الدین عبد الرحمن" (۲۵: ۳)، (۲) "اندلس کی اسلامی میراث" (۲۸:۴ ؛ ۲۸: ۱-۲)، (۳) "سیرت نمبر" (۳۰: ۱-۲)، (۴) "مخطوطات نمبر" (۳۵: ۲-۳)، (۵) "برصغیر میں مطالعۂ قرآن" (۳۶: ۳-۴)، (۶) "ڈاکٹر محمد حمید اللہ" (۴۰- ۴۱: ۴-۱)، (۷) "برصغیر میں مطالعۂ حدیث" (۴۲- ۴۳: ۴-۱)، (۸) "ڈاکٹر محمد ابو الخیر کشفی" (۴۶: ۱-۲)۔ بلاشبہ صاحب زادہ ساجد الرحمن کی علمی و تحقیقی اور انتظامی خدمات قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔

سوال اس باب میں اٹھایا ہے وہ یہ کہ جاہلیت کے رسوم و رواج سے متعلق نبی اکرم ﷺ اور خلفاے راشدین نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا، انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلے باب میں فاضل مصنف عرب جاہلیہ سے مکمل آگاہی اسلام کی تفہیم کے لیے ضروری سمجھتے ہوئے کہتے ہیں: "قرآن و اسلام کے اوّلین مخاطب عربوں کے طرزِ معاشرت، رسوم ورواج، سیاسی نظم ونسق، طرزِ معاشرت وسیاست کو سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔" (۱۲)

دوسرے باب میں عرب جاہلیہ کے جملہ خدوخال، جغرافیائی تحدید، سیاسی، معاشی، مذہبی اور معاشرتی حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے مصنف اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مجموعی طور پر دورِ جاہلیت شرک، بت پرستی، خرافات پر یقین و اعتماد اور توحید، حیات بعد الممات جیسے اہم اور بنیادی عقائد سے عاری تھا، البتہ چند ایسی شخصیات تھیں جو راہِ حق کے سچے متلاشی تھے۔ ان کی تفصیلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاضل مصنف نے ابن حبیب، ابن قتیبہ، مسعودی اور دیگر مورخین کا حوالہ دیا ہے۔(۱۳) معاشرتی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جہاں بہت سی خرافات عرب معاشرے میں تھیں، وہیں ان میں مروّج بہت سی ایسی چیزیں بھی تھیں جن کو مسلمانوں نے من و عن قبول کر لیا اور بعض کو ترمیم و اضافے کے ساتھ قبول کرنے میں فراخ دلی سے کام لیا۔ سیاسی حالات کے تذکرے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل عربوں میں کوئی منظم، مضبوط و مستحکم اور مستقل بنیادوں پر قائم سیاسی نظام نہیں تھا۔

کتاب کے تیسرے باب میں عرب جاہلیہ کے سیاسی و اجتماعی اداروں اور نظام پر مفید بنیادی مصادر و منابع سے بیان کی گئی ہیں، نیز مکہ کی شہری ریاست اور وہاں کے مختلف معاشرتی اداروں کی تفصیلات بڑی دل چسپ اور معلومات افزا ہیں۔(۱۴) تیسرے باب کی بحث کو سمیٹتے ہوئے فاضل مصنف عرب معاشرے کی تصویر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> یہ معاشرہ اپنی جاہلانہ رسوم اور مشرکانہ عقائد کے باوصف اپنے اندر وہ عناصر اور خصائص ضرور رکھتا تھا جو بعض ازاں انقلاب اسلامی کے لیے خام مال کی حیثیت سے کام آئے۔ شجاعت، غیرت و حمیت، عقیدے سے گہری وابستگی، انفاق جیسی صفات موجود تھیں مگر عدم توازن کا شکار تھیں۔ پیغمبرؐ نے اپنی صفات کو توازن و راستگی سے آراستہ کر کے دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشرہ قائم فرمایا۔(۱۵)

۱۲۔ صاحب زادہ ساجد الرحمٰن، **اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، ۱۹۹۷ء)، ۲۶۔

۱۳۔ نفس مصدر، ۶۵۔

۱۴۔ نفس مصدر، ۷۱ – ۸۰۔

۱۵۔ نفس مصدر، ۹۰۔

چوتھے باب کا عنوان "عہدِ نبویؐ میں اسلامی حکومت کی تشکیل" ہے، اس حوالے سے نہ صرف مفید معلومات کو یک جا کیا گیا ہے، بلکہ تقابل سے حرکی عمل کی طرف قاری کو رہ نمائی بھی میسّر آتی ہے۔ بنیادی نکتہ اس باب میں یہ زیرِ بحث لایا گیا ہے کہ اسلامی ریاست کی تشکیل میں عرب جاہلیہ کی روایات کو کس حد تک ملحوظ رکھا گیا۔ عہدِ نبویؐ کا سیاسی نظام تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا اور اسی عنوان کے تحت کئی اہم مسائل بھی زیرِ بحث آئے۔ جیسے اقتدار اعلیٰ، امیر کی حیثیت، شوریٰ اور اجماع وغیرہ۔ کتاب کے مصنف نے "نقیب" کے منصب اور ذمے داریوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے مقرر کیے جانے والے نقبا کے کوائف بھی قارئین کے سامنے لائے ہیں۔ نبوی عہد کے سیاسی نظام کا خاکہ فاضل مصنف بیان کرنے کے بعد یوں رقم طراز ہیں:

> یہ وہ مختصر سا خاکہ ہے جس کی مستحکم بنیادوں پر آئندہ اسلام کی وسیع ترین اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ جس نے امورِ جہاں بانی کو نئی جہتیں دیں، تہذیب و تمدّن کے نئے چراغ روشن کیے۔ عدل و انصاف کے اعلیٰ معیارات قائم کیے، اور دنیا کے نقشے پر ایک ایسی عظیم ریاست وجود میں آئی جو اپنی مثال آپ تھی۔ (۱۶)

کتاب کا پانچواں باب "عہدِ نبویؐ میں مسلم معاشرہ کی تشکیل" سے متعلق ہے۔ مسلم معاشرے کی تشکیل کن کن بنیادوں پر ہوئی اور اس کے امتیازات کیا تھے، جیسے سوالات بنیادی طور پر زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ قبل از اسلام عرب معاشرہ اور اس کے بنیادی خدوخال پر بھی سیر حاصل گفت گو کی گئی ہے۔ اس باب میں مسلم معاشرے کی تشکیل میں عرب کے معاشرتی و معاشی رسوم و رواج سے استفادے کی بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن لکھتے ہیں:

> نکاح و طلاق کے مسائل و معاملات، قصاص و دیت کے احکام اور بیع و شراء کے بہت سے ایسے احکام ہیں جو دورِ جاہلی میں پہلے سے موجود تھے اور آپؐ نے انھیں بعینہٖ اسلامی معاشرہ کا جزو بنا دیا۔ بعض کو مسترد فرما دیا اور بعض کو ترمیم و اضافہ کے ساتھ قبول فرمایا۔ (۱۷)

کتاب کا چھٹا باب "عہدِ خلفاے راشدین میں اسلامی ریاست کی توسیع" اور اس سے متعلقہ امور سے بحث کرتا ہے۔ فاضل مصنف نے اس باب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلفاے راشدین نے نبی اکرم ﷺ کے بعد ایک مثالی نظام حکومت قائم کیا اور عصرِ حاضر میں ایک مسلمان ریاست کے قائم کرنے میں کیسے رہ نمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ نیز اس باب میں ان سوالوں کا جواب دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے

۱۶۔ ساجد الرحمٰن، **اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل**، ۱۴۳۔

۱۷۔ نفس مصدر، ۱۷۳۔

بعد صحابہ کرامؓ نے خلافت و امامت کا مسئلہ کیسے حل کیا؟ اسلامی ریاست کی توسیع اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کس طرح حل کیے گئے؟ نظام حکومت کو نئے تقاضوں کے مطابق کس طرح ہم آہنگ کیا گیا وغیرہ۔[۱۸] یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ان مباحث کا یہاں پر روایتی انداز میں ذکر نہیں، بلکہ عملی افادیت کے پہلو سے دورِ حاضر میں اس نظام کی اہمیت و افادیت اور معنویت پر معنی خیز اور فکر انگیز تجزیہ و تبصرہ بھی ہے۔

کتاب کا ساتواں اور آخری باب نتائج بحث پر مشتمل ہے، جب کہ کتاب کے آخری حصّے میں کتابیات اور اشاریہ دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر کتاب میں علمی طرزِ استدلال اختیار کیا گیا۔ ابواب بندی، حواشی اور حوالہ جات نے کتاب کی اہمیت و افادیت کو بڑھا دیا ہے۔

۳- *Islam in History and Society*

Islam in History and Society (اسلام تاریخ و معاشرہ میں) ملک بن نبی[۱۹] کی فرانسیسی زبان میں شائع ہونے والی کتاب *Vocation de l'islam* کا انگریزی ترجمہ و تشریح ہے۔ جسے آسمہ رشید[۲۰]

۱۸- نفسِ مصدر، ۱۷۳۔

۱۹- ملک بن نبی (۷۳-۱۹۰۳) ایک معروف الجزائری دانش ور تھے۔ انھوں نے اپنی تعلیم الجزائر اور پیرس سے حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء میں وہ قاہرہ میں قیام پذیر ہوئے اور اپنے آپ کو پڑھنے لکھنے کے لیے وقف کر دیا۔ ۱۹۶۳ء میں دوبارہ آزاد الجزائر میں واپس لوٹے اور اعلیٰ تعلیم کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ملک بن نبی نے کئی موضوعات پر قلم اٹھایا جس میں سرفہرست تاریخ، معاشرتی فلسفہ اور اسلام شامل ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کے علاوہ فرانسیسی زبان میں شائع ہونے والی ان کی کتب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

Lebbek, Pelerinage des pauvres, Algiers 1947,48; Le phenomena cornique, Algiers 1946; Les conditions de la renaissance, Algiers 1947,48,49; Le proble'me de la Culture, cairo, 1957; Perspectives Algeriennes, Algiers, 1964; and Memoires d'um telmoin du siècle, Algiers 1965.

۲۰- آسمہ رشید، لاہور کالج برائے خواتین، لاہور میں سیاسیات کی اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر کام کرتی رہی ہیں۔ ان کی دل چسپی کے موضوعات میں "عرب دنیا کی سیاسی فکر اور تحریک" کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی موضوع کے حوالے سے ان کے کئی مضامین پاکستانی اخبارات اور رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جب ان کو کچھ عرصے کے لیے قائداعظم یونی ورسٹی میں تعینات کیا گیا تو اس دوران "بلغاریہ کے انقلاب کی نظریاتی بنیادیں" کے عنوان پر مطالعے کے حوالے سے ان کو فرانسیسی حکومت کی طرف سے وظیفہ ملا اور ۷۵-۱۹۷۴ء میں وہ ملک بن نبی کی فکر اور سوچ سے روشناس ہوئیں جسے بعد میں انھوں نے اس کتاب کے ترجمے کی صورت میں انگریزی زبان کے قارئین کے لیے پیش کیا۔ آسمہ رشید کو انگریزی اور اُردو زبانوں کے ساتھ ساتھ فرانسیسی، عربی اور فارسی زبانوں پر بھی گہرا عبور حاصل ہے۔

نے بڑی محنت کے ساتھ مرتب کیا ہے اور کئی مقامات پر اضافی نوٹ بھی تحریر کیے ہیں۔ یہ اضافی نوٹ قارئین کی معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مترجم کی موضوع پر گرفت اور فرانسیسی زبان پر عبور کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کا آغاز مصنف کے جامع تعارف سے ہوتا ہے یہ تعارف اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے جسے آسمہ رشید نے تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا باقاعدہ ترجمہ شروع ہوتا ہے اور ترجمہ شدہ صفحات کی تعداد ۱۱۰ ہے۔ یہ کتاب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کا آغاز مصنف کی طرف سے تحریر کردہ تعارف اور چھ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ آخر میں قارئین کی آسانی کے لیے اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

موضوع کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ابتدا میں اس کے مضامین مختلف موضوعات کے تحت ادارے کے مجلہ اسلامک اسٹڈیز *(Islamic Studies)* میں قسط وار شائع ہوئے اور بعد میں ان کو یک جا کر کے کتابی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

زیر نظر کتاب کو جن چھے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

1- The Post-al-Muwahid Society
2- The Renaissance
3- The Chaos of the Modern Muslim World
4- The Chaos of the Western World
5- The New Paths
6- Muslim World: A Premble

ملک بن نبی زیر نظر کتاب میں محض تاریخی واقعات کی تفصیلات جمع نہیں کرتے، بلکہ ان کی توجہ اس بات پر مرکوز رہی ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار کا تجزیہ و تحلیل کیا جائے اور تہذیبوں کے ارتقا کا معروضی انداز میں مطالعہ کیا جائے۔ ان کی رائے ہے کہ وقت کے بدلنے کے ساتھ معاشرتی رویوں اور رسوم و رواج میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ تہذیبیں عروج و زوال کا شکار ہوتی رہتی ہیں اور جغرافیائی حوالے سے سرحدیں بدلتی رہتی ہیں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ "تاریخ" کے لیے دنیا کی تمام تہذیبوں میں مختلف اصطلاحات رائج رہی ہیں، لیکن ان کی معنویت میں اس قدر فرق ہے کہ وہ عمومی اور مجموعی تناظر میں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوتیں کیوں کہ تہذیب اور قوم کا تصور تاریخ ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہے۔ ظہور اسلام سے قبل دنیا میں جلوہ گر رہنے والی تہذیبوں میں تاریخ کا جو تصور رائج تھا وہ اسلام کے تصور تاریخ سے بالکل جدا اور علاحدہ

حیثیت کا حامل رہا ہے۔ مثلاً یونانیوں کے ہاں ایرانی تہذیب میں اور چین و ہندی تہذیب کا تصور تاریخ اس قدر مختلف ہے کہ مسلمان مؤرخین اور فلاسفہ کے ہاں اس سے بالکل نیا، جداگانہ اور منفرد تصور تاریخ ملتا ہے۔[۲۱]

مسلم معاشرے کی تاریخ کو انھوں نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے:

۱– پہلا دور نبی ﷺ کے اعلان نبوت سے لے کر جنگ صفین تک

۲– دوسرا دور اسلامی تہذیب و تمدن کے ارتقا فروغ اور عروج کا دور ہے

۳– تیسرا دور اسلامی تہذیب و تمدن کے زوال و انحطاط سے متعلق ہے۔

یہ وہ دور ہے جس میں امت مسلمہ بحیثیت مجموعی جمود کا شکار ہوئی۔[۲۲]

مذکور بالا تاریخی تجزیہ و تحلیل کرنے کے بعد مصنف اپنی توجہ مغربی دنیا کی طرف مبذول کرتے ہیں اور مغربی تہذیب کی ابتدا و ارتقا کو زیر بحث لاتے ہیں۔ وہ تفصیل کے ساتھ مغربی تہذیب کے بنیادی اجزا و عناصر کو بیان کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب کے فروغ میں جن عوامل نے کلیدی کردار ادا کیا اس کی تفصیلات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مسیحیت کے فروغ اور صلیبی جنگوں سے متعلق بڑا جاندار تجزیہ پیش کرتے ہیں۔[۲۳]

اسلامی اور مغربی دنیا کی باہمی کشمکش کے احوال کو تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تاریخ عالم کا وہ موڑ جب مسلمان معاشروں میں بیداری شروع ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے زوال سے نکلنے کے لیے جدوجہد شروع کی اس کتاب میں بڑے دل چسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ اور اس کے احیا کے لیے مختلف مسلمان تحریکوں کی کاوشوں کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے اور ان سے مرتب ہونے والے اثرات کا معروضی انداز میں ذکر قارئین کے لیے دل چسپی سے بھرپور ہے۔[۲۴]

کتاب کے آخری حصے میں ملک بن نبی کا یہ تجزیہ انتہائی قابل توجہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو مغربی دنیا سے الگ تھلگ نہیں رکھ سکتے۔ پرامن دنیا کے قیام اور معاشروں کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان دوسری تہذیبوں کے ساتھ مکالمہ کا راستہ اختیار کریں۔ عالمی سطح پر انسانی ضرورتوں اور مسائل کا حل تبھی ممکن ہے جب مسلمان اور اہل مغرب ایک دوسرے کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھیں اور باہمی رابطوں اور تعاون کے ذریعے پرامن

۲۱– اسلامی تصور تاریخ کے حوالے سے پی ایچ ڈی کا ایک مقالہ بڑی دل چسپ معلومات رکھتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: راشد حمید، **اقبال کا تصور تاریخ** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، س ن)، ۱۷۔

22– Malek Bennabi, *Islam in History and Society*, trans: Asma Rashid (Islamabad: Islamic Research Institute, International Islamic University, 1988), 5- 18.

23– Ibid., 20-29.

24– Ibid., 74-87.

دنیا کے قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ آخر میں مصنف یہ پیش گوئی بھی کرتے نظر آتے ہیں کہ ایشیا کے مسلمانوں کا کردار وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جائے گا اور ان کی اہمیت دنیا کو تسلیم کرنا پڑے گی۔[۲۵]

۴- *Imām Rāzī's 'Ilm al-Akhlāq: Kitāb al-Nafs Wa'l-Ruḥ Wa Sharḥ Quwahumā*

زیر نظر کتاب امام فخر الدین رازی کی **کتاب النفس و الروح** کا انگریزی ترجمہ ہے جسے محمد صغیر حسن معصومی[۲۶] نے بڑی محنت سے تیار کیا اور ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی سے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔ "علم الاخلاق" کے فروغ میں اس کتاب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب سے قبل ابن مسکویہ کی **تہذیب الأخلاق** اہل علم کے ہاں معروف و متداول تھی، تاہم اس کتاب نے علم الاخلاق کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ کتاب ۳۳۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

زیر نظر کتاب کا آغاز امام رازی (م ۶۰۶ / ۱۲۰۹ء) کے ایک جامع تعارف سے ہوتا ہے جو کہ ۳۴ صفحات پر محیط ہے۔ کتاب کے مترجم نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ معلومات اکھٹی کی ہیں اور کوشش کی ہے کہ امام رازی جیسی عبقری شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو قارئین کے سامنے لائیں۔ ڈاکٹر معصومی نے امام رازی جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کے علمی مقام اور ان پر کیے جانے والے اعتراضات کا احسن انداز میں جواب دیا ہے۔[۲۷] اس

25– Ibid., 100.

۲۶– ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی نے ابتدائی اسلامی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور بعد ازاں بی اے اور ایم۔اے اسلامیات عربی ڈھاکہ یونی ورسٹی سے مکمل کیا، جب کہ ڈی فل (D.Phill) کی ڈگری آکسفرڈ یونی ورسٹی سے حاصل کی۔ بہ طور استاد ڈھاکہ یونی ورسٹی میں پڑھاتے رہے اور بہ طور سربراہ مسلم ہسٹری ڈیپارٹمنٹ سندھ یونی ورسٹی میں بھی فرائض سرانجام دیے۔ بہ طور ڈپٹی ڈائریکٹر اکیڈمی آف اسلامک سٹڈیز کوئٹہ میں بھی تعینات رہے۔ وہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں پروفیسر انچارج بھی رہے اور بعد ازاں اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور میں فیکلٹی آف اسلامک لرننگ کے پروفیسر کے طور پر کام کرتے رہے۔ ڈاکٹر معصومی کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں:

1- *Ibn Bājjah's 'Ilm al-Nafs*
2– *Kitāb al-Nafs*
3– *Risālah Hayyb. Yaqzān Ma 'a Sharhihā li'bn Sīnā*
4– *Risālah al-Kawn Wal'Fasād*
5– *Imām Ṭaḥāwī's Ikhtilāf al-Fuqahā*

۲۷– دیکھیے:

M. Saghir Hasan Masumi, *Imām Rāzī's 'Ilm al-Akhlāq: Kitāb al-Nafs Wa'l-Ruḥ Wa Sharḥ Quwahumā* (Islambad: Islamic Research Institute, 1970), 4-8.

کتاب کا ایک ہی مخطوطہ میسر آسکا جو کہ بوڈلین لائبریری (Bodleian Library) آکسفرڈ میں موجود تھا۔ یہ امر بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ حاجی خلیفہ کے علاوہ کسی اور نے امام رازی کی اس کتاب کا تذکرہ نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں: "وصنف الأمام فخر الدين محمد بن عمر الرازي كتابا في النفس والروح، لخصه محمد العلائي، ورتب على اقسام."[۲۸]

بعض دوسرے تذکرہ نگاروں کے ہاں جن کتب کا ذکر کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- **كتاب الأخلاق**

۲- **كتاب النفس**

اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ علم الاخلاق کے عام اصولوں سے متعلق ہے اور یہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے، جب کہ کتاب کا دوسرا حصہ دس ابواب پر مشتمل ہے جو کہ انسانی دل و دماغ میں پیدا ہونے والی خواہشات سے متعلق ہے۔ کتاب کے پہلے حصے میں انسان کے مقام و مرتبہ اور حیثیت کو واضح کیا گیا ہے اور انسانی روحوں کے مختلف درجات کی وضاحت قرآن و سنت کی روشنی میں کی گئی ہے۔[۲۹] جب کہ دوسرے حصے میں مختلف انسانی جذبوں اور خواہشات کے حوالے سے سیر حاصل گفت گو کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر انسانوں کی دولت سے محبت اور روحانی ترقی کے لیے دولت کا استعمال وغیرہ۔ مختلف منفی جذبات کا ذکر اور ان کے مرتب ہونے والے اثرات، سخاوت اور اس کے نتائج و ثمرات، حب جاہ و منصب، دوسروں کا مذاق اڑانا اور تمسخر جیسی بیماریوں کا علاج قرآن و سنت کی تعلیمات سے بڑے ہی واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔[۳۰] منافقت اور اس کی اقسام اور گناہوں کو پوشیدہ رکھنے کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔[۳۱]

علامہ ابن منظور خلق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۲۸- حاجی خلیفہ، **کشف الظنون** (تہران: مکتبہ اسلامیہ، ۱۹۶۷ء)، ۵: ۱۶۴۔

29- Masumi, *Imām Rāzī's, 'Ilm al-Akhlāq*, 43-119.

30- Ibid., 195-248.

31- Ibid., 267-313.

الخُلقُ و الخُلُقُ: السجية و هو الدين و الطبع و السجية - و حقيقة أنه لصورة الإنسان الباطن- وهي نفسه و أوصافها ومعانيها المختصة بمنزلة الخلق لصورة الظاهرةِ و أوصافها و معانيها.(۳۲)

یعنی خُلق اور خُلُق کا معنی فطرت اور طبیعت ہے۔ انسان کی باطنی صورت کو مع اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کو خُلق کہتے ہیں۔ جس طرح اس کی ظاہری شکل وصورت کو خَلق کہا جاتا ہے۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ خلق کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فالخُلقُ عبارة عن هيئة في النفس راسخة ، عنها تصدُرُ الأفعال بسهولة و يسرٍ من غير حاجة إلى فكر و رؤية.(۳۳)

یعنی خلق نفس کی اس پختہ کیفیت کا نام ہے، جس کے باعث اعمال بڑی آسانی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ان کے ظاہر کرنے کے لیے سوچ بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

خلق کا اطلاق انھی عادتوں پر ہو گو جو پختہ ہوں اور جن کی جڑیں انسانی دل و دماغ اور روح میں گہری ہوں۔ ان خصلتوں میں تواضع، اخوت و بھائی چارہ، عدل و انصاف، وفاداری، عیب پوشی، اللہ کے لیے محبت اور دوستی، عفوودرگزر، سادگی، سخاوت، مدارت، تحمل وبردباری اور مسلمانوں کی عزت وتکریم شامل ہے۔

امام رازی نے مختلف اخلاقی مسائل کو بیان کرتے ہوئے قرآن و سنت کے علاوہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی **إحياء علوم الدين** سے خوب استفادہ کیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ پیش رو یونانی فلاسفہ اور مسلمان دانش وروں کی آرا کا نہ صرف جائزہ لیا ہے، بلکہ اخلاق کے حوالے سے ان کی آرا سے خوب استفادہ بھی کیا ہے اور ان آرا کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالا بھی ہے۔

اسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر معصومی کی رائے بھی زیر بحث لائی جائے جس میں ان کا مؤقف ہے کہ مسلمانوں نے دوسری تہذیبوں اور مذاہب کے علمی ورثے کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بھی ڈھالا؛ وہ بیان کرتے ہیں:

It is agreed upon that though Muslims studied Greek, Indian and Iranian sciences they always tried to exceed their masters. Their

---

۳۲۔ ابن منظور، **لسان العرب**، (بیروت: دار صادر، س ن) ۱۰ : ۸۶ ۔

۳۳۔ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، **إحياء علوم الدين** (بیروت: دار المعرفة)، ۳ : ۵۳۔

study of Greek sciences, as supported by evidence, has been most expensive and it is in these sciences that their contributions have been the greatest.[۳۴]

(اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر چہ مسلمانوں نے یونانی، بھارتی اور ایرانی علوم کا مطالعہ کیا تاہم یہ ان کی ہمیشہ کوشش رہی کہ وہ علوم کے حصول میں ان سے آگے بڑھ جائیں۔ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ مسلمانوں نے یونانی علوم کے مطالعہ میں بہت کچھ خرچ کیا اور پھر انھی علوم میں اضافے کے حوالے سے ان کی شراکت سب سے نمایاں اور زیادہ ہے۔)

بنیادی بات جو معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں نے علم و فن کو ہمیشہ اپنی گم شدہ میراث سمجھا ہے اور پھر علم کے حاصل کرنے کے بعد اس کی ترویج و اشاعت اور ترقی میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اسی مؤقف کی تائید میں ہم ڈاکٹر معصومی کے درج ذیل الفاظ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

A critical study of the epistles of Ikhwan al-Safa (The Brethren of Purity), the work of Al-Kindi, Al-Farabi, Ibn Sina, Ibn Bajjah, Ibn Tufail, Ibn Rushd and their successors both in the east and the west will amply bear testimony as to how successfully they have Islamised the foreign sciences.[35]

(تنقیدی مطالعہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اخوان الصفا، کندی، فارابی، ابن باجہ، ابن رشد اور ان کے جان نشین خواہ ان کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے انھوں نے غیر ملکی علوم کو اسلامیانے میں بڑی نمایاں کام یابیاں حاصل کی ہیں۔)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں کچھ ایسے عالی دماغ لوگ پیدا کیے جنھوں نے نہ صرف علم کے فروغ کا کردار ادا کیا، بلکہ انسانیت کو اعلیٰ اخلاقی قدروں اور مہذب رویوں سے بھی روشناس کرایا۔ ڈاکٹر معصومی کی یہ کاوش قدر کی نگاہ سے دیکھی جانی چاہیے کیوں کہ انھوں نے علم الاخلاق کے حوالے سے امام رازی کی تعلیمات کو انگریزی کے قارئین تک نہایت احسن انداز میں پیش کیا ہے جو یقینی طور پر اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کرے گی۔

34– Ibid., 26-27.

35– Ibid., 27.

۵- *Islamic Methodology in History by Fazlur Rahman*

Islamic Methodology in History ڈاکٹر فضل الرحمٰن[۳۶] کی علمی کاوش ہے۔ جس میں انھوں نے اسلامی فکر کے چار بنیادی اصولوں: قرآن، سنت، اجتہاد اور اجماع کے تاریخی ارتقا کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسلامی فکر کے فروغ اور ان اصولوں کی عملی تطبیقات سے متعلق تمام ابحاث زیر بحث لائی گئی ہیں۔ اسلام نے تاریخ، اس کے تصورات اور قوانین کی جس قدر جامع تصریحات کی ہیں، دنیا کی کسی بھی تہذیب، ملت اور پھر الہامی کتاب میں ایسی جامع توضیحات نہیں آئیں۔ اسلام نے جس فکری اور معنوی اعتبار سے تاریخ کے تصور کو سمجھا اور سمجھایا ہے اس سے قبل انسانی زندگی اور کائنات کے مختلف زمانوں میں اس کی تعبیر پیش نہیں ہوئی، لیکن جب وہ سرچشمۂ علم وہدایت، تاریخ کے توسط سے انسانی زندگی میں رونما ہوتا ہے تو پھر اس کی رعنائی، فکر وخیال کو متاثر کیے بنا نہیں رہتی۔ چوں کہ سابق اور موجودہ تہذیبوں نے تاریخ کے بنیادی تصور کو سمجھنے میں غلطی کی ہے لہذا وہ اس سرچشمۂ ہدایت کی فکری تعبیر پانے میں ناکام رہی ہیں۔[۳۷]

ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے قرآن و سنت اور اجتہاد و اجماع کے حوالے سے نہ صرف اوائل دور کے تصورات کو واضح کیا ہے، بلکہ بڑے محققانہ اور عالمانہ انداز میں بعد کی صدیوں میں اجتہاد نے جو صورتیں اختیار

۳۶- پروفیسر ڈاکٹر فضل الرحمٰن ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے اور آکسفرڈ یونی ورسٹی سے ۱۹۵۱ء میں پی ایچ ڈی کی تکمیل کی، وہ درہم یونی ورسٹی (University of Durham) اور بعد میں میک گل یونی ورسٹی (McGill University) کینیڈا میں شعبہ اسلامیات کے استاد رہے۔ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں مستعفی ہو کر وہ شکاگو یونی ورسٹی (University of Chicago) امریکہ میں اسلامی فکر کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ان کی درج ذیل کتب انتہائی اہمیت کی حامل ہیں:

- *Prophecy in Islam, London, 1958*
- *Ibn Sina, De Anima (Arabic Text), Oxfard, 1959*
- *Islam, Weidenfeld and Nicolson, London*
- *Major Themes of the Quran, Bibliotheca Islamica, Chicago, 1980*
- *Islamic Education and Modernity*

موصوف ان کتابوں کے علاوہ عالمی سطح کے معروف علمی و تحقیقی مجلات میں اسلامی موضوعات پر کئی اہم مقالات کے بھی مصنف ہیں۔ مغربی اور مسلمان اہلِ علم ودانش میں اپنی اصابتِ فکر، وسیع مطالعہ اور تاریخ پر گہری نظر رکھنے کے باعث انتہائی اہم مقام کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ۱۹۸۸ء میں کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

۳۷- راشد حمید، **اقبالؒ کا تصور تاریخ**، ۳۶۔

کیں ان کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۸/ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ایک پیش لفظ، ابتدائیہ اور پانچ ابواب ہیں۔ کتاب کے آخر میں کتابیات اور اشاریہ بھی دیا گیا ہے۔ مصنف نے ابواب کی تقسیم کچھ اس طرح کی ہے:

- ❖ Concepts Sunnah, Ijtihād and Ijmā‘ in the Early Period
- ❖ Sunnah and Ḥadīth
- ❖ Post Formative Developments in Islam
- ❖ Ijtihād in later Centuries
- ❖ Social Change and Early Sunnah

یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں پہلی بار شائع ہوئی اور اس کتاب کی اشاعت سے قبل اس میں شامل ابواب ادارہ تحقیقات اسلامی کے علمی و تحقیقی مجلے *Islamic Studies* میں مارچ ۱۹۶۲ء سے لے کر جون ۱۹۶۳ء تک مقالات کی صورت میں شائع ہوئے۔ تاہم اس کتاب کا چوتھا باب "Ijtihad in the later Centuries" بعد میں لکھا گیا اور اسے کتاب کا حصہ بنا دیا گیا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس کتاب کی نہ صرف ایک تاریخی اہمیت ہے، بلکہ یہ بہت سے عملی نتائج اور اسلامی تاریخ کے مطالعے کے حوالے سے ایک سنگ میل ثابت ہو گی اور نئے آنے والے محققین کو رہ نمائی فراہم کرے گی۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اپنی کتاب کے پیش لفظ میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> It must be fully recognised that much work still needs to be done to bring the treatment of this subject to comprehensiveness. Particularly, the principle of Ijma needs a full historical treatment. (38)

(یہ امر مکمل طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر وسیع پیمانے پر کام کرنے کی ضرورت ابھی بھی باقی ہے۔ خاص طور پر اصول اجماع اس بات کا متقاضی ہے کہ اسے جامع انداز میں تاریخی تناظر میں دیکھا جائے۔)

اس بات کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ ابتدائی صدیوں میں اجماع کے اصولوں کی حقیقی صورت حال کیا تھی اور کیا اجماع کو سنت کے متبادل کے طور پر لیا جا رہا تھا؟ اور بعض مکتب فکر نے اجماع کو کیوں رد کر دیا؟ ان تمام پہلوؤں کے حوالے سے زیر نظر کتاب میں سیر حاصل گفت گو کی گئی ہے۔ مصنف کے خیال میں اس کتاب کے نتائج کو تسلیم کرنا بعض حلقوں کے لیے آسان نہیں ہو گا کیوں کہ اس میں روایتی انداز فکر سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے الفاظ یہاں پر نقل کر دیے جائیں وہ کہتے ہیں:

> The traditionalist-minded Muslims are not likely to accept the findings of this work easily. I can only plead with them that they

38– Fazlur Rahman, *Islamic Methodology in History*, vi.

should try to study this important problem with historical fair-mindedness and objectivity.[39]

(روایت پسند مسلمان اس کام کے نتائج کو آسانی سے تسلیم نہیں کریں گے۔ میں صرف ان سے درخواست کر سکتا ہوں کہ انھیں تاریخی حوالے سے معروضیت اور منصفانہ ذہنیت کے ساتھ اس اہم مسئلے کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔)

اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ موضوع کی مناسبت سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی یہ کاوش قابل ستائش اور انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ سنت کے تصور اور اس کے معانی و مفاہیم کی درست تفہیم اور شکوک و شبہات کو دور کرنے میں یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب میں سنت کے حوالے سے امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کی آرا کا بڑی سنجیدگی اور عالمانہ انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی نے دوسری خدمات کے علاوہ سماجی علوم کی اشاعت و فروغ میں بھی نمایاں خدمات سر انجام دی ہیں۔ جس کی واضح مثال مذکورہ بالا کتب کی اشاعت، تعارف و تجزیہ اور ان کے مشتملات پر بحث اس چیز کی عکاسی کرتی ہے۔ سماجی علوم اپنے اندر بے شمار وسعت رکھتے ہیں، جیسے سیاست، معیشت و معاشرت، علم البشریات، سماجی نفسیات اور انسانی جغرافیہ وغیرہ۔ پاکستانی معاشرے کی تشکیل جدید میں ادارہ تحقیقات اسلامی کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے کو درپیش چیلنجوں اور مسائل کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ ان کا حل تجویز کرنا اور مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے میں ادارے کے زیر اہتمام اشاعت شدہ کتب، علمی و تحقیقی مجلات اور کانفرنسوں کا انعقاد قابل تحسین ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کا تصور تشکیل جدید بھی یہی ہے کہ ماضی کے احوال و واقعات کا گہرائی میں جا کر تجزیہ و تحلیل کیا جائے اور دور حاضر کی تحدیات (Challenges) اور مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے مستقبل کی ایسی حکمت عملی اور لائحہ عمل مرتب کیا جائے جو امت مسلمہ کو بالعموم اور پاکستانی معاشرے کو بالخصوص اقوام عالم میں عزت و احترام کا مرتبہ دلوا سکے۔ امید کی جانی چاہیے کہ پاکستانی معاشرے کو ترقی یافتہ بنانے میں اور اس کے معاشی و معاشرتی، اخلاقی و سیاسی، تہذیبی و ثقافتی اور علمی و روحانی روایات کے پروان چڑھانے میں یہ ادارہ پہلے سے بڑھ کر خدمات سر انجام دیتا رہے گا۔

39– Fazlur Rahman, *Islamic Methodology in History*, vi.